

اُس شام کو ہم نے غسل بھی نہ کیا، دو گھنٹے تک چپ چاپ اپنے کمرے میں بیٹھ رہے۔ نیچے جو کارروائی ہوئی اس کی آواز تک اوپر نہ آئی۔ پھر ہم نے اٹھ کر کھانا کھا لیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم برقع و حوٹے کھاتے کھاتے میری دو دو گرم کرنے کے لیے کمرے سے نکلی بیٹھیں دیکھ کر وہ مسکرائی اور ہنس لیا۔ ہم نے بھی مسکرا کر ہیلو سے جواب دیا۔ ثاقب نے جنت کمرے کے اُٹس سے پوچھا کہ اب اس کا کیا حال ہے۔ میری نے جواب دیا کہ اب وہ پہلے سے بہتر ہے۔ وہ چھ لے پر دو دو گرم کر رہی تھی کہ ہم برقع و حوٹے اپنے کمرے میں چلے آئے۔ کافی دیر کے بعد نیچے والی منزلوں سے نہانے و حوٹے اور کھانا کھانے کی آوازیں آنے لگیں جب سب اپنے کاموں سے منہ رخ ہو چکے تو ہم تھوڑی دیر کے لیے اُٹھ کر نیچے چلے گئے۔ خام والی بات کا ہر کسی نے نہ کیا اپنی باتیں کرتے رہے۔ جنت آئے تو رقم کی کاریگی پر تھوڑی سی تکرار ہوئی پھر اُنھیں فارغ کر دیا گیا۔ گفتگو دھیمی آواز میں ہوتی رہی تاہم کی بازی بھی مٹی اور پچھ پچھاڑ کے باتیں بھی ہوئیں، مگر اُنھیں بھی ابھی سے گھر والوں کے درمیان بات کے وقت بھوتی ہے۔ سب نے ایک ایک کمرے اپنے پیچھے والوں کا ذکر کیا، کسی نے باپ کا، کسی نے چچی بھائی کا، مگر سب کی آوازیں میں تسلی تھی، کسی گھبراہٹ کا اثر نہ تھا۔ وہاں تو کئی بات ہمارے دھن سون میں ایک منزل کے مطابق تھی۔ اس وقت ہمیں اس بات کی خاص خبر بھی نہ تھی مگر اب سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ اس دن سے چارے گھر کا دستور بدل گیا۔ ہمارے قدم اس سرزمین پر چھنے لگے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ ہم اپنے وطن کی رسموں کو بھولنے لگ گئے جو وہاں اپنے پاتوں سے چل کر دوسرے ملک کو جانتے ہیں وہ کبھی بھیج مسلوں میں اپنے وطن کو نہیں چھوڑتے، جتنی کہان کی ٹکر پور سی ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں تک جہاں مسلمان رہتی ہے زمین پر راستے کھولنے کے لیے نئی نئی دھمکیاں

چوٹی چلی جاتی تھی۔ اس دن سے ایک نئی رسم ہمارے دستور میں داخل ہوئی۔ شروع ہوئی اس ملک کی چیزوں کو اٹھانے کی رسم۔
 سب کوئی اور آواز ہی انسان کے لئے پسندیدہ نہیں ہے۔ اس
 کا اعزاز ہمیں اس وقت ہوا جب دنگ پٹنے کے روز میری ایس سیز میں
 اترتی ہوئی ملی۔ اس کے ہاتھ میں تھیلہ تھامی میں دیکھ کر بولی: "ٹاپنگ
 کرنے نہیں جانا گئے؟" ہم کچھ دنگ پٹنے کے رولے میں ہائیں گے۔
 "تو پتہ" میری نے کہا: "اگلے پتے پر ہیں۔"

میں اور نقاب اپنے تھیلے کے اس کے ساتھ چل چکے تھے۔
 وہیں ہم بازار پر پہنچے۔ اس ملک ہمارے اسی طرح ایک ہی دکان
 دکان پر پہنچے اور غرض سے کی چیزیں اٹھا کر لو کر رہ گئے تھے۔
 پھر ان کے پیچھا دو کیے اور تھیلوں میں بھر کر گھر واپس آ گئے۔ اس
 دن ہم میری کے ساتھ گئے تو پہلے وہ ایک دکان میں داخل ہوئی۔
 وہاں پر اس نے کئی چیزوں کو اٹھا کر دیکھا اس کے بھانجے کی
 کیے اور انھیں واپس رکھ دیا۔ پھر وہاں پہنچی اور میں وہاں کو توڑی چلی
 دکان سے اور بازار چل آئی۔ ہم بھی اس کے پیچھے پیچھے چلے آئے۔ دکان
 انھیں کھول کر میں دیکھ کر ہمارے گھر سے کچھ نہ ہوا۔ اگلے دکان میں میری
 نے دو چار چیزیں خریدیں، رہائشوں کے بھانجے کو انھیں واپس رکھ
 دیا۔ جب ہم اس دکان سے نکلے تو ہمارے تھیلے خالی دیکھ کر میری نے
 دریافت کیا کہ ہم نے اپنا سودا انھیں خریدا یا نقاب نے ایک بڑی دکان
 کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ وہاں سے خریدیں گے۔

"وہ دکان تو بڑی مٹکی ہے" میری بولی۔ اس سے سستی چیزیں تو اس
 دکان سے ملتی ہیں۔ یہاں سے کیوں نہیں خریدتے؟"
 ہم دو بار اسی دکان میں داخل ہوئے۔ میری پہلی غور سے کہ

دیکھ کر سستی سستی چیزیں بھاری ٹوکری میں ڈالتی رہی۔ جب ہم اس دکان سے نکلے تو ہمارا آدھا سودا طریقہ جا چکا تھا۔ میسرے دکان میں میسرے کا دکاندار عورت سے جھگڑا ہو گیا۔ میسرے نے کچھ چیزوں کے بھادو دیکھ کر کہا کہ دوسری دکان میں دوسری چیزیں کم قیمت پر مل رہی ہیں۔ دکان دار عورت بد مزاج تھی رکھنے والی سستی چیزوں کی کوٹھنی بھی سستی ہوتی ہے جب میسرے نے کہا کہ نہیں، یہ چیزیں ایک ہی کہنی کی بنی ہوئی ہیں، تو وہ بولی اٹھ گئی۔ ہے، پھر اسی دکان پر چلے جاؤ۔ میسرے منہ میں ہڑ بڑاتی ہوئی باہر کی طرف چل دی۔

دکان دار عورت بھی ہڑ بڑانے لگی۔ "ہیں تم جیسے خریداروں کی طرف سے نہیں۔"

میسرے نے یہ بات سن لی۔ وہ دکان سے ہٹ کر بولی، "میسرے پر سب ہم جیسے ہی ہیں۔ تم اتنی فلاب ہو تو گھر بیٹھو، یا دکان نہیں اور سٹے جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ دکان سے باہر نکل آئی۔ ہم دل میں بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ مگر ساتھ ساتھ ایک تسلی بھی تھی، اور خوشی بھی شکوےس ہو رہی تھی۔ ایک عجیب حالت تھی۔ جو تھی دکان والا ہڈھا میسرے کا واقف تھا اس دکان میں میسرے نے باقی چیزیں خریدیں۔ ہم نے بھی اس کے ساتھ ساتھ چل کر اپنا سودا لہو لگایا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہم نے سودے کو اسٹاکر اس پر طعنہ ہوتی قیمتوں کو بڑھا دیا پھر اسے دہلیس رکھ کر دوسری چیز اٹھالی۔ گویا ہم نے پہلی بار خریداری کا حق ادا کیا۔ جب پیسے، بٹنے کا موقع آیا تو میسرے کی نمٹ ٹنگ، وہاں کھڑی اور ہڑا دھر کی باتیں کرتی رہی۔ باتیں کرتے کرتے اس نے دکان دار سے ہمارا تعارف بھی کر لیا۔ یہ میسرے "فریڈ" ہیں، میسرے نے کہا۔ دکان دار نے "علیم جٹلیں" کہہ کر جواب دیا جب ہم دکان سے باہر نکلے تو بوندا بانڈی شرابچ ہو چکی تھی اس

ٹھک میں ہر وقت بوند باندی چلتی رہتی تھی۔ ہم دکان کے دروازے میں کھڑے اس کے رکے کا انتظار کرتے رہے۔ جب بادشہ کی نو ہم دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی پر میری نے ایک ایک کھڑکی کی کھڑکیوں میں لٹھ بٹھانے والی کو دیکھنا مشروع کر دیا۔ ہم نے اپنا خریداری کا وقت اس طرح بھی نہیں گزارا تھا۔ مگر اس وقت خاموشی سے ہم میری کے ساتھ چلتے رہے۔ بازار خریداروں سے بھرا ہوا تھا۔ اسٹے میں ہم نے ایک پائیس کے سپاہی کو دیکھا۔ وہ گشت کرتا ہوا سامنے سے چلا آیا تھا۔ میں نے ثابت کی طرف دیکھا اس نے بھی سپاہی کو دیکھ لیا تھا۔ پہلے ہمارے دل میں خیال آیا کہ بازار کو پار کر کے دوسری طرف چلے جائیں۔ مگر میری کو وہاں چھوڑ کر پیچھے جاتے۔ میری ایک کھڑکی کے آگے کھڑی عورتوں کے پرزے دیکھ رہی تھی۔ ہم سپاہی کی طرف سے منہ پھر کر کھڑے ہو گئے۔ اسٹے میں میری چل چلی۔ اب منہ سامنے کر کے چلنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ جب سپاہی قریب آیا تو وہ بھی میری کا واقعہ دیکھ کر میری نے پیٹ کر کے سے بلایا اور کھڑی ہو گئی۔ ایک دو منٹ تک وہ سپاہی سے باتیں کرتی رہی۔ ہم بھی ہارونا چار پاس کھڑے اور عراؤ مرد دیکھتے رہے۔ پھر چلتے چلتے میری نے ہنس کر اس سے مذاقاً کچھ کہاں لوگوں کی ایک عادت بہت اذیت دہی ہے۔ ہر وقت چھوٹی چھٹی مذاق کی باتیں کیا کرتے ہیں جن کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ سپاہی نے بھی مسکرا کر میری کا جواب دیا۔ جاتے جاتے وہ ہاروا:

”یہ تمہارے کیسے مرد فریڈر ہیں۔ تمہارا رنگ بھی نہیں اٹھا سکتے۔“
میری نے ہنس کر ہادی طرف دیکھا اور چل پڑی۔ تھوڑی دُور جانے کے بعد ثابت نے اُردو کر کے میری کا خیال اس کے ہاتھ سے لیا۔ آہستہ آہستہ چلتے اور باتیں کرتے ہوئے ہم گھر واپس آئے۔

جب ہم نے گھر کا دروازہ کھل کر اندر قدم رکھا تو ہمیں شکس مہر ہوا تھا کہ ہم در حقیقت اس جگہ پر ایسیل رکھتے ہیں۔ اور اس گھر کے مالک ہیں۔ ایک دو چھتے کے اندر میری بہن سے کھل مل گئی۔ ہم ایک ساتھ کھانا پکاتے اور بازار جاتے تھے۔ میری کبھی کبھی بہن سے کمرے میں بھی آ جاتی اور کھڑی کھڑی در تک باتیں کرتی۔ جتنی تھی۔ ثاقب سے اس کی خوب بچی تھی ثاقب کا بہن سے واپس آنے کے بعد زیادہ ترقوت اس سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی میری اس کو اپنے کسی کام سے بازار بھی بھیج دیا کرتی۔ میں اور غلام حسد میری کے کمرے میں نہیں جاتے تھے، مگر ثاقب چلا جا یا کرتا تھا۔ ثاقب نے ہمیں بتایا کہ میری نے عمو اس کو اجازت دی تھی کہ وہ میری اور حسین شاہ کے کمرے میں آ سکتا ہے۔ کبھی کبھی ثاقب ان کے کمرے میں بیٹھا میری سے باتیں کرتا ہوتا کہ حسین شاہ کا کام سے واپس آ جاتا ہے۔ ثاقب کے آنے جانے کا جڑا نہیں مٹاتا تھا۔ حسین شاہ نے فرم میں سے مل کر ان کی شفقت لے لی تھی۔ اب وہ دن کو کام کرتا اور راتوں کو گھر پر رہتا تھا۔ پہلے ایک دو چھتے کے بعد حسین شاہ نے دوبارہ نماز ادا کرنی شروع کر دی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا تھا کہ اب وہ عشا کی نماز کے ساتھ اسے دن کی عشا نمازیں ادا کیا کرتا تھا۔ اسی میں اس کے ایک دو گھنٹے تک جاتے تھے۔ میری اس پر حیران ہوا کرتی تھی۔ کبھی کبھی ثاقب کے سامنے مذاق کے لہجے میں اس کا ذکر بھی کیا کرتی تھی۔ وہ حسین شاہ کی بہت عزت کرتی تھی اس کے سامنے کچھ نہ بولتی۔ میری کی بھی عجیب کہانی تھی۔ کچھ میری کی اپنی زبان سے اور کچھ ثاقب اور حسین شاہ کی زبان سے مل رہی تھی۔

وہ بیوہ کا مل کی رہنے والی تھی۔ یہ اس ملک کے شمالی علاقے میں ایک شہر ہے۔ اس کے ماں باپ شہر کے قریب ایک گاؤں میں رہتے تھے۔

اس کا باپ پرانا شرابی تھا اور شراب پی کر اپنی بیوی اور لڑکی کو مارا پٹتا کرتا تھا۔ ایک روز وہ شراب خانے سے آکر کسی بات پر اپنی بیوی کو بیت رہا تھا کہ میری ماں نے باورچی خانے سے چھری اٹھا کر پیٹ میں گھونپ دی۔ وہ وہیں تڑپ کر مڑ گیا۔ پوچس والے میری ماں کو پکڑ کر لے گئے میری اس وقت دس گیارہ برس کی تھی۔ ایک سس کا بھائی تھا جو میری سے ایک سال بڑا تھا۔ ان دونوں کو سوشل لکھے والے آکر اپنے ساتھ لے گئے اور ان کی تنگداشت کرنے لگے میری ماں پر مقدمہ چلا اور اسے پندرہ سال کی قید یا مشقت ہو گئی۔ میری مستقل طور پر سوشل لکھے کے زیر سایہ ان کے ایک والد سے کے اندر پر ورش پانے لگی۔ اس کا بھائی دوسرے ادارے میں تھا مگر وہ ان کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ کئی سال تک میری وہیں پر پٹی اور اسکول وغیرہ جاتی رہی۔ جب وہ سترو سال کی ہوئی تو وہاں سے بھاگ نکلی۔ اس عمر کے بعد وہ لوگ اسے زیر دستی اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ ایک دو سال تک وہ نیو کاسل میں چھوٹا موٹا کام کرتی اور ایک کمرے میں رہتی ہی۔ پھر وہ خیر خوں کے ہاتھ پر جا گئی۔ ان لوگوں کی زندگی بھی عجیب ہوتی ہے۔ یہ لوگ فقیروں کی طرح بھرتے رہتے ہیں۔ جب ان کے پاس پیسے ختم ہو جاتے ہیں تو سوشل لکھے میں جا کر منتظر کرتے ہیں اور منتظر ہی بہت پیسے کھاتے ہیں۔ کبھی کبھار ان میں سے کوئی دوچار روٹیاں کام کی لگا لیتے ہیں۔ اور پیسے آپس میں بانٹ لیتے ہیں، روز عاکلہ پر مالک تالک کر گزارا چلا سکتے ہیں اور انیم جرسس وغیرہ پیسے رہتے ہیں میری ماں لوگوں کے ایک نوے میں شامل ہو کر سارے ملک میں گشتی ہوئی۔ اسی اثنا میں اسے خبر ملی کہ اس کی ماں نیک پٹنی کی بنا پر آدمی عدت پوری کرنے کے بعد رہا ہو کر گھر لائی ہے۔ میری بہنوں کے نوے کو چھوڑ کر اپنے شہر واپس چلی آئی۔ اس کا بھائی لا پتا ہو چکا تھا۔ وہ مجھ تک ماں

جینی کونسل کے ایک مکان میں رہتی تھی۔ گلاب اس کی ماں نے شراب
 جینی طرہ و عروج کی تھی۔ نفلے میں آکر وہ اپنے بیٹی سے گولی گولج کرتی۔
 اور اس کو مارتی بیٹی دنگو یا اب اس نے میری کے باپ کی جگہ سے لی
 تھی۔ آخر تنگ آنکر ایک دن میری نے گھر چھوڑ دیا۔ اگلے دو سال تک وہ
 ماچھڑ کے قہر میں رہی جہاں اس نے ایک آخر غرض آدمی کی دکان چھوڑی
 کر لی۔ تھوڑے عرصے کے بعد میری نے فاسس آدمی کے ساتھ اس کی
 عورت بن کر رہنا شروع کر دیا۔ ڈیڑھ سال اسی طرح گزر گیا۔ اس آدمی
 کے بڑی بیگے پہلے موجود تھے۔ اس نے میری کو ایک کمرے کے کمرے
 میں رکھا تھا۔ آخر ایک دن اس آدمی کی بیوی کو اس بات کی خبر ہو گئی۔
 وہ مولیٰ تنگ آدمی آخر شش عورت تھی، دند نامی ہوئی میری کے کمرے میں
 پہنچی۔ وہاں یہاں نے میری کو روک دیا اور مار مار کر نیلا پیلا کر دیا۔ ہاتھی دند
 دھکی دے گئی کہ اس نے وہ بارہ میری کو اس قہر میں دیکھا تو پھری
 سے اس کا اٹھا کاٹ دے گی۔ میری خوفزدہ ہو کر وہاں سے جو بھاگی تو
 بد نظم آنکر آئی۔ یہاں یہاں اس کے کوئی پرانے جاننے والے بہتے تھے
 وہ چاہتے تھے ان کے پاس رہنے دی۔ بھر بیگے چارچ کے ساتھ اس کی
 دامنیت ہو گئی۔ وہ جیسا کہ کہنے والا کہتا تھا اس لیے جیسا کہ چارچ کے
 نام سے مشہور تھا اس ملک میں ریکا کے گائے بہت ہیں مادان میں
 سے کئی انیم چرس اور قب خانوں کا دندا کرتے ہیں۔ جیسا کہ چارچ ہمارے جیسے
 ہی ایک دوسرے علاقے میں یہ کسب کرتا تھا اور اپنے علاقے کا
 مانا بھاٹھ لٹھا۔ گلاب اس نے میری کو بہت عورت و آدم سے اپنی عورت
 بنا کر رکھا اس زمانے میں میری کے لیے ہر وقت کار ہوا کرتی تھی اور وہ
 گھر کی مالک تھی۔ تین سال تک وہ اسی طرح بیگے چارچ کے ساتھ رہتی
 رہی۔ مگر ان کاموں میں جہاں پیرا ہوتا ہے وہاں خطرہ بھی بہت ہوتا

ہے۔ میری کی بد قسمتی کا ایک دن جیکے چار چ کا اس کے دشمنوں نے قتل کر دیا۔ یہ قتل حال ہی میں ہوا تھا اور ہم نے بھی اس کی خبر اڑائی ہوئی تھی۔ جیکے چار چ کا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ اس نے اپنے بھائی کا کلابا سنبھال لیا۔ مگر وہ چار چ کی طرح دلیر آدمی نہ تھا اور اس میں اتنی جان نہ تھی کہ ایسے کام کو چلا سکے۔ چنانچہ کام اس کے ہاتھ سے نکلتا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے میری سے کہا شروع کر دیا کہ اگر وہ اس گھر میں رہنا چاہتی ہے تو اسے پیٹے کا دھند کرنا پڑے گا۔ میری اس بات سے انکار کرتی رہی۔ مگر زیادہ دن نہ گزرتے کہ اس کی اسی ایک روز میوہ جو کمرہ ہاں سے نکلی آئی۔ یہ میری کی زبانی ہم نے سنا تھا کہ چار چ اس کی جان چلی جائے گی مگر وہ پیٹے نہیں کرے گی۔ اس گھر سے نکلنے کے چند روز بعد ہی ایک بچے میں اس کی حسین شاہ سے ملاقات ہو گئی اور وہ ہمدے گھر چلی آئی۔

اس حساب سے میری کی عمر کوئی پچیس ستائیس سال بنتی تھی۔ مگر دیکھنے میں وہ انیس بیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ سوچیں تو اس کا وقت اتنا صحت گردا تھا کہ میری کے اوپر اس کا کوئی نشان نہ ملتا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک لم سی کی صورت تھی، جیسے جیسے اچھی اسکول سے نکل کر آئی ہو۔ ہم اسے دلچسپ دیکھ کر حیرت کرتے تھے کہ اتنی خوبصورت کی ہادی ہے مگر ہر وقت ہنس کھدکتی ہے۔ اس کے توجہ پہلو اور چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی۔ ایک بار ثاقب نے فریڈ اس کا ذکر کیا تو ہنس کر بولی کہ تم مردوں کا کیا پتا ہے۔ اتھوڑا سا دکھ درد سے کر بیٹھا جاتے ہو۔ عورتیں نہنگی کی عادی ہوتی ہیں تو دیکھنے میں اس کے اندر کوئی عیب نہ تھا نہ شرب زانیم نہ چہرے پر مسکراہٹ کا عیب تھا، ہر وقت مسکراہٹ بھونکتی رہتی تھی۔ مگر اس ملک میں جہاں عیب ہی عیب سمجھتے ہوئے

ہیں، وہاں سگریٹ پیرا کوئی عیسویں میں عیب غلام نہیں ہوتا۔ میں شاہ کی وہ دل سے عزت کرتی تھی۔ اس کی خدمت کرنے میں میری سنے کوئی کسر نہیں تھا۔ کھی۔ جیسے ہی وہ پریٹ کی خرابی سے تھک رہا تھا وہ جاتی کس نے ہمارا کھانا پکا کر کھانے کے لیے لے لیا۔ ہر روز کچھ عیسویں شاہ کے کچھ سے بچھ کر پکاتی۔ سستی جھٹ کی عزت تھی۔ چند ہی دن کے اندر خوب مزے دار سالن اور دو دیوانے پکھنے لگی۔ سب وہ ہر روز عیسویں شاہ کے لیے کھانا بناتی۔ کبھی کبھی خود بھی کھا لیتی۔ جب خود کھاتی تو اس میں مرغ مسالہ لگاتی۔ مگر زیادہ تر وہ جگر پر بناتی، اپنے لیے انگریزی کھانا لگاتے اور عیسویں شاہ کے لیے ویسی کھانا لگتے۔ منت سے ہی جراتے والی نہیں تھی۔ ساری سال شام ہمارے سب کچھ کھڑی ہو کر کھانا پکاتی اور باتیں کرتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ غلام عمر میں کی، زندگی سیٹ جو چلی تھی اور جو بہت تھوڑی بات کرتا تھا، وہ بھی آدھا گھنٹہ میری سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ ہماری منزل پر گویا، دنیائی تھی۔

آہستہ آہستہ میری نے نیچے کی منزلوں پر بھی جانا شروع کر دیا۔ پہلے صرف آتے جاتے ہوئے میلہ کرتی تھی۔ پھر کبھی رات کر بات کرنے لگی۔ کھانا پکھانے کے لیے مرغ مسالہ مانگنے نیچے جاتے تھی۔ پہلے وہ اپنے اور عیسویں شاہ کے کچھ سے اور پھر تو تھی پر ہی دھو لیتی تھی، پھر نیچے گھسٹنے میں جا کر دھو لے شروع کر دیے۔ جوتے جوتے وہ یہاں کی منزل واسے حافظ آبادیوں سے اس کی سادہ رسم ہو گئی۔ میری کی طبیعت ہی غصہ تھی۔ ان کے وقت بھی اتنا کہ کسی وقت وہ ان کی منزل پر چلی جاتی کہ اس کی غصہ کرنے واسے لوگوں سے آج چند پوری کرنے کے باوجود اٹھ کر گھر میں کھڑی ہو رہے ہوتے، باتیں کرتی رہتی۔ پہلے ایک سال کے دوران میں چلی منزلوں والا کوئی ہمارے منزل پر نہیں آیا تھا۔ مگر اب

لکڑی، دھات، حائفہ آبادیوں میں سے کوئی دکانی شام کے وقت آویس آیا
 کر رہا، اگر ہم کھانا پکھا ہے تو وہ سبز میوں پر بیٹھا جانا، اور نہ ہمارے
 کمرے میں جا کر لیں لگتا تھا، میری کی بدولت حائفہ آبادیوں سے بھی
 ہمدی و ہستی شروع ہو گئی تھی۔ پہلے میں ایک بار حائفہ آبادی کسی
 کے ہاتھ سالن اور پیرھیٹے جو کوئی لے کر آتا وہ بھی اور پیچھے دو سوسے بھی
 سبز میوں کے نیچے لکڑی سے ہو کر لیتے، میری سس میں میں بہت
 تھوڑی ٹالی میں، میرا پیٹ غلاب نہیں ہو گا، میری شکر یہ کم کر کھانا
 واصل کر رہی۔ جس کر اور شکر یہ اور کر کے لوگوں کی چیزیں اور ان کی باتیں
 قبول کرتی ہوئی میری بری نہیں ملتی تھی، پیچھے کہ یہ طریقہ قدرت کی طرف
 سے اس کو مضبوط ہے، ابھی کبھی بدست کے کھانے کے بعد جب میں شام
 نماز کی نیت ہاں دھتا تو میری سگریٹ کی ذبیاں سے کڑھائی تھی۔ پہلے وہ چار
 دروازے میں دیکھ کر باتیں کرتی رہتی، پھر کہنی چلو نیچے چلیں اور یہیں
 ساتھ لے کر بیٹھا کرتا جاتی۔ نیچے وہ حائفہ آبادیوں کے ایک کمرے میں
 سب کے ساتھ گھسے پر بیٹھ جاتی۔ پھر وہ ایک ایک کو اپنی ذبیاں سے
 سگریٹ پلاتی، جب ختم ہو جاتے تو ان کے سگریٹ پتی، اور دیر تک
 جنس نہیں کر باتیں کرتی رہتی۔ میری کو چار سے ملک کے بارے میں
 باتیں معلوم کرنے کا بہت شوق تھا، وہ کہتی کہ اس نے وہاں کے لوگ
 تو دیکھ لیے ہیں، مگر وہ سر زمین نہیں دیکھی۔ اتنے سوال پوچھتی کہ لوگ
 جواب دیتے اور اس کو کھانے کھاتے بار جاتے۔ چار سے کہن بہن
 اور کم دروازے کے بارے میں، ہمارے موسم کے، ہمدی، تسلیم و قربت
 سے، ہمارے مکانات، عورتوں اور بچوں کے بارے میں اور ہمارے
 گاہوں اور غلوں کے بارے میں سوال پوچھتی، ایک دفعہ وہ ہمارا غم شو
 بھی جا کر دیکھ آئی تھی، جب سے وہ آئی تھی میں شام نے غم شو پر جانا

جھوڑا تھا۔ مگر ایک بار وہ کر کے میری اسے ساتھ لے گئی اور فلم دیکھا کر آئی۔ کہنے لگی اسے ہماری فلم بہت پسند آئی ہے۔ میری ہر ایک کے بیوی بچوں کے بارے میں دلچسپی لے کر باتیں کرتی۔ ماسس نے چہبکچو یوں کے نام اذہر یاد کر رکھے تھے۔ دماغ کی اچھی تھی، ابھی ناموں میں غلطی نہ کرتی۔ جب ملتی تو ہر ایک سے پوچھتی، گھر سے کوئی خط آیا ہے؟ ابھی ابھی کہتی خط پڑھ کر شہناز، کہتی پہلے اپنی زبان میں پڑھو۔ ہماری زبان کی اسے مجھ ذاتی تھی مگر بڑے غور سے سننی تھی۔ پھر ہم لوگ اپنی فونی پھونی انگریزی میں اس کا ترجمہ کرتے تو سس کر غور فرماتی۔ کہنی باہرام کے وقت کوئی حائل آبادی کام سے واپس آتے ہی بھانجی بھوڑا چہرہ ہماری منزل پر آچلا تھا اور کہتا، میری۔ دیکھو گھر سے چوکی کا خط آیا ہے۔ میری کانٹا کھنٹا، کہتی اچھا، سکین کا خط آیا ہے؟ کیا لکھا ہے، شیک ہے؟ بچے شیک ہیں، صحت کیسی ہے؟ سب کا حال پوچھتی۔ ہمارے مذہب میں بہت دلچسپی ملتی تھی۔ ایسی ایسی باتیں پوچھتی جن کا علم ہمیں نہ تھا۔ شیراز کا خط آیا ہے، جو نڈا کی تھا میری کو مذہب کے احکام سمجھانے کا ذمہ لیا ہوا تھا۔ جب ابھی میری پہلے جا کر پہنچی شیراز اس کو مذہب کے احکام نہیں سنیں گے اسے فائدہ میری کو ہمارے مذہب سے بہت دلچسپی ہو گئی تھی اور وہ ہمارے مذہب کو بہت اعلیٰ سمجھتی تھی۔ کہتی تھی کہ ہمارے مذہب خدائت کی صورت نہیں مگر مذہب کو بہت اچھی چیز سمجھتی ہے۔ شیراز کا کہنا تھا کہ ایک ذابک دن مسلمان جو جانے کی۔ اس میں یہاں کا نظریہ ہے۔ جب پہلے نہ ملتی تھی حنین شاہ کے پیروں کی آواز سننی تو میری اٹھ کھڑی ہوئی، کہتی میں شاہ ناز سے فارغ ہو گیا ہے۔ مذہب میں جاتی ہوں۔ ابھی ہم بھی اٹھ کر اس کے ساتھ آؤں پہلے جاتے۔ ابھی وہیں پہلے حائل آبادیوں کے ساتھ گھس رہے تھے۔ ایک اتوار کو سنا کہ سب

حافظ آبادیوں نے دنگلی کے کھاتے سے نام لٹا دیا ہے۔ ان کی منزل سے صرف دو جنگلی رو گئے۔ حافظ آبادی کہتے ہیں کہ یہ سسٹم چڑھنے کی دوا دیں، جب تک صورت پر سولہ سی نہ کریں ان کی روتی مٹ نہیں جاتی۔ جنگلی شرمسہ چکر لگتے، لٹا دیں گے یا لٹا دیں گے اور کیا کہتے ہیں۔

میری کی آمد کے کوئی دو مہینے بعد اس کا بیٹ نکلا آیا۔ پھر بیس ہفتہ لڑکھائی کے بیٹ سے تھی۔ اسی بے پروقت ڈھیلے ڈھال پٹنہ پہنچے وہ بھی تھی۔ ہم نے ایک دو دن آپس میں ٹولے ٹولے اس کے بیٹ کی باتیں کیں۔ مگر میری کے دھڑکے میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ اسی طرح ہنس ہنس کر ب سے باتیں کرتی رہی تو جلد سے دل سے وہ بات آئی تھی چوکی۔ میری قسمت کے ہاتھوں دھکا کھاری تھی مگر نہ مٹی ایسی تھی کہ کسی کے دل پر میل نہ آنے دیتی تھی۔ پھر شیر باز نے بھی کہہ دیا کہ میں گھر میں تولید پاتی ہے اللہ کا فضل آخرت ہے دل پر میل نہ لگے۔ اس دن کے بعد میری روز بروز کمزور ہونے لگی۔ اس کا دل پہلا نکل آیا۔ سانس لے لے کر سیر جیاں پنجہ حتی تھی۔ اس کے باوجود آخری دم تک میں خفا کے پلے اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی رہی۔ ہم سب نے اس کا بہت خیال کرنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے میں وہ ایک بار دعا کہنے کے لیے ہسپتال جایا کرتی۔ میں خفا و کام پر ہوتا تھا اس لیے وہ حافظ آبادیوں میں سے جو مدت کو شفقت اور کرتے تھے، ایک ذایک ہمیشہ اس کے ہمراہ جایا کرتا اور اسے ساتھ لے کر واپس آتا تھا۔ اسی دو دن میں ایک رات گہری منزل پر جھگڑا ہو گیا۔

ہوا یہ کہ ایک رینٹ سنے اکرم میر پوری سے زیادہ رقم کاغذنا شروع کر دیا تھا۔ ایک پہلے تو اکرم سنے رقم اکرو دہی، گلاب کی بار وہ تیز ہو گیا

ہمیں اس بات کی خبر ہو چکی تھی کہ ایک ایسے حرام زندگی کر رہا ہے۔ جب جگہ ابڑھا اور آوازیں اڑیں تو میں نے قیس کو سب باہر نکل آئے اور سیدھیوں پر کھڑے ہو کر سنے لگے۔ ایک منٹ اکرم کو پکڑا دینے کی دھمکیاں دے رہا تھا اور اکرم کہہ رہا تھا کہ وہ اس کی غریب ماری کر رہا ہے۔ میری نے ہم سے پوچھا کہ یہ کون ہے جس کی سب سے زیادہ آواز آ رہی ہے۔ ہم نے کہا ایک ایک منٹ ہے۔ میری کہا بھنوں کے سطلے کا علم نہیں خٹا کھنے لگی قیس کا ایک منٹ ہے۔ اس پر ہم نے اسے بھنوں کا سدا حقہ فقرا بھجایا۔ کھنے لگی چلے چلیں، میں اس سے ہنستی ہوں، ہم نے کہا دوسروں کے جگہ میں بڑھنے سے کیا حاصل، تو پوئی کہیں نہیں۔ کوئی باہر کا آدمی اس گھر میں آکر جگہ انہیں کر سکتا، غیر آدمی مشکل سے آہستہ آہستہ سیدھیوں پر کر سکتے ہیں۔ پہلے اس نے سب سے پہلی میز چھی پر بیٹھ کر سامنے برابر کی ایک لکڑی صورت کو دیکھ کر جان ہی نکل گئی۔ اس کے بعد جو میری آتھی اور اس نے ہلانا شروع کیا ہے تو اس ایکٹ کا اثر ہی مالک۔ میری نے خدا سے لگے میں بات شروع کی، پھر ایک دم گر جئے لگی۔

”تم کون ہو، تمہارا نام کیا ہے۔ کہاں سے آئے ہو۔ کیا بیٹے آئے ہو یا یہاں سب مزدور رہتے ہیں، اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ اپنی محنت کی کافی کھاتے ہیں۔ تم طور کیوں پھا رہے ہو یا کیا یہاں پر کوئی جود رہتے ہیں؟ میں اچھی طرح سے کہیں جانتی ہوں۔ یہاں کسی نے تمہاری چوری نہیں کی۔ تم کیا کہتے ہو تم کسی کو پکڑا دے گئے ہیں سب پولیس والوں کو جانتی ہوں۔ سب سے پہلے تم کو پکڑاؤں گی۔ اس ملک میں کوئی غیر قانونی نہیں ہے۔ سب قانونی ہیں۔ صرف تم لوگ اس ملک میں غیر قانونی ہو جو مزدوروں کا حق مارنے کے چوتے ہوئے

میری سنے جا کر باہر کا دروازہ کھل دیا اور اشارہ کر کے بولی : اب بھی نکل جاؤ یہاں سے۔ میں نے پھر انہیں یہاں دیکھا تو بیل میں جاؤ گے۔ اس ملک میں انصاف ہوتا ہے :

ایجنٹ نے نہ آئے دیکھا دیکھے اور دروازے سے نکل کر غائب ہو گیا۔ میری آنکھ میں ہی کڑوی سی کھال چڑھ گئی تھی۔ جا کر بیڑہ میں پہنچ گئی۔ جیسے شاہ اس کو سہارا دے کر اس کے پاس بیٹھ گیا اب میری پوری اس کے آس پاس تھی کھڑے تھے۔ جب میری کی حالت بحال ہوئی تو میرے پیروں سے باتیں کرنے لگی۔ کہنے لگی ڈالنے کی کوئی بات نہیں۔ ان لوگوں کا ڈنٹ کو مقابلہ کرنا چاہیے۔ انہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

میری کوشا یہ ہماری تازہ حیثیت کو براہِ عام نہیں تھا۔ مگر پھر بھی اپنی جنت کے مطابق اس نے ہر کام کیا۔ اصل واقعے کا یہ اثر ہوا کہ سب ایجنٹوں کو خبر ہو گئی۔ اس دن کے بعد ایجنٹ لوگ خاموشی سے آتے اور جو کچھ ملتا ہے کر پاس پلے جاتے۔ روزہ روز کی تکرار ختم ہو گئی۔ اگر میری پوری کا ایجنٹ ایسا ڈاکو دیکھنے ملک واپس ہی نہ آیا۔ پھر اس نے آتا سفر شروع کیا تو دروازے پر ہی کھڑا کھڑا پنا چار دیا اور رقم وصول کر کے اٹھنے لگا ہو جاتا۔ اب میری پوریوں نے بھی اوپر کی منزلیں پر آنا شروع کر دیا تھا۔ آہستہ آہستہ میری کی ان کے ساتھ بھی رہا۔ وہ رسم ہو گئی تھی۔ جیسے چارے اور حافقہ بادلوں کے ساتھ تھی میری جب کبھی سودا سلفٹ جیسے ٹیکلی باہر جاتی تو واپسی پر سانس لینے کے لیے ان کے پاس بیٹھ جاتی۔ میری پوری اس کو چاہتے بنا کر نہیں کرتے اور اس کا سودا اٹھا کر اوپر چھوڑ آتے۔ اگر میری پوری جو مدت کو ڈیوٹی دیتا تھا ہر دفعہ میری کو ٹیکس پر بٹھا کر ہسپتال لے جاتا اور واپس لے کر آتا۔ مگر میں

رنگ کی کار دا غلہ بند ہو چکا تھا۔ شیر باز نے ایک روز اطلاع کروا کر جس گھر میں بچہ کا مقام ہوا وہ پیدایشس کی نمائندگی ہونے والی ہو اس گھر میں یہ کام نہیں چل سکتا۔ صرف دو بنگالی اور ایک بے وقوف سامیر بوی لکھی بھار باہر جا کر منہ کالا کر آئے تھے۔

بچے کی پیدایش داسے دن میری نے ہسپتال کو ٹیلی فون کیا تو وہاں سے ایجوکیشن کی تھوڑی آگئی۔ میری اس میں بیٹھ کر ہسپتال چلی گئی۔ چوتھے دن وہ واپس آئی تو اسی دن شیر باز نے گھر میں غم دلوایا۔ گھر میں پہلے داسے سب لوگ، سوسائے حسین شاہ کے، شام کے وقت آکر شیر باز کے کمرے میں جمع ہوتے گئے اور اپنے اپنے علم کے مطابق تلاوت کرتے رہے۔ شیر باز ایک اپنے ملائی کی دکان سے ویسی سلٹائی کی توکری لے کر آیا تھا۔ ہم سب صاف سخرے کپڑے پہن کر آئے تھے اور گندوں پر دائرے کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آخر میں شیر باز نے ایسی تلاوت کے بعد، عاید منی شروع کی۔ میری مسکراہٹ کے ساتھ سا کا روائی دلیتی رہی۔ جب دُعا کے خیر کے لیے سب نے دعا تھا تو اس نے بھی دعا اٹھا دی۔ من میٹھا کرنے سے پہلے ہم سب نے ایک ایک پونڈ بکے کے نام کا میری کے ہاتھ پر رکھا۔ میری نے ہنگر بھرا کیا اور پیسے قبول کر لیے۔ پھر منہ میٹھا کیا گیا اور خوشی مذاق ہوتا رہا۔ اس دن پہلی بار اس گھر میں بچے کے رونے کی آواز پیدا ہوئی۔ گھر میں گویا روغن لگ گئی۔

حسین شاہ ایک دو روز تک سامنے نہ آیا۔ پھر وہ بھی بچے کا ہاتھ کر پٹنے پھر لے لگا۔ میری نے سب کی تجویز کے ساتھ بچے کا نام مائیکل علیج رکھ دیا۔ کبھی کبھی وہ کہا کرتی تھی کہ اس کا ارادہ ہے کہ وہ فری کار روائی کر کے بچے کا نام مائیکل جارج حسین شاہ رکھ دے۔ بچے کی شکل خوب لگی

اس کو رنگ گوارا تھا مگر ہاں کا لے اور جو نٹ اور ناگ دے موئے ٹھیکوں کی طرح تھے۔ مگر بہت چلا اپنے خدا ہاں کی طرح خوش مزاج تھا یہی اس نے دیکھا۔ وہیں نہیں کی۔ وہیں جھپٹے کے بعد تو میری کو خبر بھی نہ تھی اور یہ کبھی پہلی منزل پر اور کبھی دوسری اور تیسری منزل پر ہم وہاں کی گود میں ہوتا۔ اب گھر کا عجیب سا تھا۔ میری دوسری منزل پر اور حالہ آباد کی پہلی پر اور ہم لوگ اور حرا دھر بیٹھے ہوتے۔ سب کا کہیں میں میں ملایا شروع ہو گیا تھا۔ کھانا دینا بٹکا تھا۔ روز کے صلاح مشورہ سے مدد ملے اور ایک ساتھ جوتی۔ بے وطنی میں وطن کی لذت آنے لگی تھی۔

جب میں اس دن کے ساتھ اس گھر کا مقابلہ کرتا ہوں۔ دن میں یہاں داخل ہوا تھا تو بکے حیرت ہوتی۔ یہاں اتنا اندھرا تھا کہ دست نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اب تینوں منزلوں پر کمرہ ہیں اور سبز صیل پر رات تک اب جگہ لگتے جتے تھے۔ کہتے ہیں اتفاق میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ کچھ دیر کے لیے ہم نے اپنی انگلیوں سے یہ سفر دیکھ لیا۔

اس بے بسا گھر میں خرابی کا آغا اس وقت ہوا جب میں شاہ نے اپنے بھتیجے کا ذکر کرنا شروع کیا۔ اس کا بھتیجہ بچے تک میں تھا۔ ایک دو بار میں شاہ نے باتوں باتوں میں کہا کہ اس کے بھتیجے کا ملک سے غلط آیا ہے۔ بات آتی گئی ہوتی۔ ہم نے بھلا کوئی چگا۔ جیسے ہم سب کے بھانجے بھتیجے بچے اپنے گھر میں موجود تھے۔ مگر بات غلط نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ اندھری اندھ چلتی رہی۔ چند روز کے بعد ہمیں پہلی بار میں شاہ کے کمرے سے میری کی اولیٰ آواز سنائی دی۔ وہ کوئی بات کر رہی تھی جس کی میں کچھ نہیں جانتی۔ اس سے پہلے ہم نے کبھی میری کی زبان سے وہ عجیب بول نہیں سنا تھا۔ ہمارے کان گھڑے ہوئے تھے۔ اندھری دیر کے بعد میری کمرے سے باہر نکلی تو اس کے کمرے

پر آندھ لگی تھی۔ اس نے ہماری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا اور نہ ہی کوئی بات کی، بلکہ جیسے گواٹھائے اٹھائے بیڑھیاں اڑ کر گھر سے باہر چلی گئی۔ جب سے میری آنی تھی وہ کبھی کسی کام کے بغیر گھر سے باہر نہ لگتی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ تھی کہ وہ رات کو ایسے وقت میں گھر سے نکلی تھی جب سارے کام کا راج بند ہو چکے تھے۔ کوئی رو گھٹنے کے بعد وہ اسی طرح بیٹے کو اٹھائے واپس آئی اور سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس دن کے بعد میری وہ نہ رہی جو وہ تھی۔ دن بدن ہم نے میری کی حالت میں ایک عجیب تبدیلی آنے ہوئے دیکھی۔

میری کی خوش دلی کی حالت میں فرق آنے لگا۔ ہوتے ہوتے اس کے چہرے سے ہنسی اور شکرے کے اظہار غائب ہو گئے۔ ہم نے کسی نوا آئی جیسو سے کی آواز نہ سنی، مگر ایک دن آیا کہ میری کی شکل ہی بدل گئی۔ اگر کوئی اس کو ایک پھینے کی غیر حاضر کی کے بعد دیکھتا تو شاید پہچان بھی نہ سکتا۔ اس کے چہرے کے نقش ایسی صورت اختیار کر گئے جیسے بریل کے حروف میں سرودی سے ظفر گر ہو جاتے ہیں اور ان کے آس پاس کی جلد شکن رہ جاتی۔ اب وہ اکثر ہم لوگوں کی واپسی سے پچھلے ہی اپنا درمیں شاہ کا کھانا پکا کر کمرے کے اندر چلی جاتی۔ ہمیں وہ کبھی بسا ہی نظر آتی۔ کبھی برتن دھوئے یا ٹائلٹ جاسنے کے لیے باہر آتی تو صرف ہیلو کو کرگز جاتی رہا کوئی ایک آدھ بات کر لیتی۔ خریداری وغیرہ کے لیے اکیلے ہی جایا کرتی اور ہر وقت ہنسنے کا کام نہاتی اس کے ساتھ باتیں کرتی رہتی۔ میں شاہ بھی کم ہی نکلتی رہتا۔ کام سے واپس آکر اپنے کمرے میں بیٹھا رہتا۔ ہم باقی گھر کے لوگ اسی طرح آپس میں ملتے جلتے رہے، مگر اب صرف پہلی اور دوسری منزل پر ملاقات ہوتی، ہماری منزل پر کوئی نہ آتا۔ ہم کبھی میری پر رہیں اور کبھی

حافظ آبادیوں کے گروں میں جا کر بیٹھے اور آپس میں اتار چڑھا کر سنے
 مسیں شاہ اور میری کے معاملے میں صرف خیال آرائی ہوتی، کہیں کہ کسی کو علم
 نہ تھا کہ اندری اندر کیا کھڑی پکڑی ہے۔ ہدای آپس کی غلط فہمی سے کم
 ہوتی جا رہی تھی۔ گھر میں باتوں کی آواز نہ آتی تھی۔ گھر کا سہا سہا تھا جیسے اس
 کے تانے بانے پر بوجھ پڑتا جا رہا ہو اور جگہ جگہ سے اس کے ٹوٹ جانے
 کا اندیشہ ہو۔ ہم اب جلد ہی اٹھ کر اوپر چلے آتے اور جی بھاگتا ہو جاتے۔
 ثاقب اپنے کمرے میں لیٹا اور بی دماغانہ پڑھتا رہتا۔ غلام محمد نے تو ایک
 دو بیٹے کے بعد اوھر اوھر جانا بالکل بند کر دیا اور دوبارہ اپنی نیٹ
 زندگی گزارنے لگا۔

آخر ایک دن میری کھانا پکڑی تھی کہ ثاقب گھر واپس آیا ثاقب
 وہاں تک کہ میری سے باتیں کرنے لگا۔ اس روز میری نے وہاں
 کھڑے کھڑے ثاقب کو بتا دیا کہ کیا ہے۔ کہنے لگی۔ "میں مٹا
 کہتا ہے میرے بچے سے شادی کر لو۔ کہتا ہے اس کا بیٹا غریب
 ہے اور ایجنٹ کے پیسے ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، اگر میں اس
 سے ملتی کرتی ہوں، عائد ہو جائیگا تو وہ کافلی ملہ پر اس ملک میں آسکتا ہے۔
 میں کہتی ہوں یہ کوئی بات ہے؟" ثاقب نے بات کے وقت یہ بات
 نہیں بتائی۔ چھٹے بچے جا کر سب کے سامنے بات کی، سب کو سب نے
 قہقہہ کیا کہ وہ جی ٹا جا ایسی بات نہ کہیں دلچسپی اور نہ ہنسنی۔ ہم سب نے
 اس معاملے میں میری کا ساتھ دیا، شیر باز نے تو کہہ دیا کہ یہ بات اللہ اور
 اس کے رسول کے احکام کے منافی ہے کہ خونی رشتہ رکھنے والے دو
 آدمی ایک ہی عورت کے ساتھ تعلق قائم کریں۔ سب نے تو یہ مستطاف
 پڑھی۔ دوسری بیٹے بیٹے یہ فیصلہ ہوا کہ مسیں شاہ کو اس بات سے باز
 رکھنے کے لیے کارروائی کی جائے۔ مگر کیا کیا جائے؟ ہٹے یہ ہوا کہ

شرعاً منع کرنے سے پہلے حسین شاہ سے دریافت کیا جائے کہ کیا یہ بات واقعی درست ہے یا نہ تھی کی نکاح میں ایک وہ دن گزر گئے۔ اسی اثنا میں کانا پھوسی کی وجہ سے حسین شاہ کو اس کی بھینک پڑ گئی چنانچہ وہ خود ہی ایک دن اٹھ کر نیچے حافظ آبادیوں کے گھر سے میں آجیلا۔ اس نے جو بات بتائی وہ میری کے بیان سے بالکل مختلف تھی۔

حسین شاہ کا بیان تھا کہ یہ درست ہے کہ وہ کہتا ہے میری اس کے بچیتے سے شادی کر لے مگر وہ صرف کاغذی شادی کی بات کر رہا ہے۔

”اصلی شادی کی بات کون کرتا ہے؟“ حسین شاہ نے کہا۔ ”میرا کوئی سر پھر گیا ہے کہ میں اپنی عورت کو اس کے نکاح میں جانے دوں۔ میری کو میں نے سمجھایا ہے کہ یہ صرف و فرضی کارروائی کی شادی ہوگی۔ دن نوکوں کا ایک قانون پورا کرنا ہے تاکہ لڑکا ادھر آ جائے بس۔ اس سے زیادہ لڑکے کا عمل دخل کوئی نہیں ہوگا۔ صورت حال بالکل اسی طرح رہے گی جس طرح اب ہے۔ مگر میری کی عقل اصلی ہے۔ اس بات کو سمجھتی ہی نہیں؟“

کچھ لوگوں نے حسین شاہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ایسا ایک ایسے ہی نے پہلے سن رکھا تھا کہ گوری عورت کو پیسے دے دلا کر کاغذی شادی ہوئی ہے اور اپنے ایک آدمی کو ادھر رہنے کا اجازت نامہ مل گیا ہے۔

”کوئی باہر سے عورت پکڑ لو یا اپنی عورت کو آٹے کر دو۔ کیا فرق پڑتا ہے؟“ حسین شاہ نے کہا۔ ”شادی تو کاغذی ہی ہے۔ کیوں جی؟“

مختی نے سر ہلا کر ہاں کی، باقی ناخلیس کھول کر دیکھتے رہے۔
 تو پیچھے جی: "میں شاہ نے کہا۔" ہم نے کتنی مصیبت میں زندگی گزاری
 ہے۔ آج تک پیچھے چھپاتے پھر رہے ہیں۔ رینٹ۔ پائیس۔ ٹورنٹسٹ
 نور میں۔ ہر کوئی دعا دعا مانگ رہا ہے اب ایک موقع ہے کہ اپنا کوئی بھائی
 بند آزادی سے ادھر آجائے تو کیوں داس کا نانہہ اٹھایا جائے۔ میں
 چھوٹا سارہ لیا ہوں، میرے بھائی نے پال کر بچے بڑا کیا۔ اب وہ پورا
 ہو گیا ہے۔ اس کا ایک ہی رشتہ ہے۔ غریب ہے۔ رینٹ کے پیسے تو
 ایک طرف رہے، اگر ایہ بھی تنگی سے ادا کرے گا۔ میری کا کیا جانے
 ایک کاغذ پر دستخط ہی کیے ہیں۔ ان لوگوں کا پناہ ملک ہے، اس کی بات
 کو کون مٹا سکتا ہے۔ نو کا کتنی آزادی سے ادھر آجائے گا۔ بھائی کا
 کام سیکھا ہوا ہے، اچھے پیسے کما سکے گا، ہماری بھی مدد ہوگی، اس کی
 بھی ہوگی۔ آخر میری کے اوپر میرا کچھ حق بتا ہے۔ میں نے اسی سے اسے
 اٹھا کر گھر میں لا بٹھایا ہے۔ عزت سے رکھا ہوا ہے۔ کیوں ہی، میرا
 حق نہیں بتا؟ اپنی جیب سے پیسے خرچ کرتا ہوں، کھا نا پینا کپڑا
 سب، ہر طرح کا آرام ہے، ہر طرح کی مدد ہے۔ آپ سے کوئی بھی
 بھائی بات ہے؟ حرام کا بچہ اپنا بچہ کچھ کر پاں رہا ہوں۔ اسے اور کیا
 چاہیے۔ کوئی اپنی عورت بھائی تو جان سہرا کر دیتی۔ یہ کاغذ پر جو دستخط
 بھی نہیں کر سکتی؟ اپنے بھائی بندوں کی مدد ہمارا پہلا فرض ہے۔
 ہم سب اسی فرض سے یہاں دھکے کھا رہے ہیں۔ ہماری زندگی اپنے
 بھائی بندوں سے ہی وابستہ ہے، آخر میں وہی کام آتے ہیں۔ ان
 لوگوں کا کیا ہے، ہے اسانے لوگ ہیں۔ میں نے اس کے لیے کتنی
 قربانی کی ہے۔ دھکے کھا رہی تھی، اٹھا کر ملے بنا دیا ہے۔ اس کی سب
 فرائض پوری کرتا ہوں۔ کیا اس کا فرض نہیں بتا کہ ایک مدد میری بھی